

ناول نرملہ، بازار حسن اور گوشہ عافیت! ایک جائزہ

ڈاکٹر محمد افضال بٹ

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو الخیر یونیورسٹی بھمبر

پروفیسر ڈاکٹر رشید امجد

صدر شعبہ اردو الخیر یونیورسٹی بھمبر

A realistic artist cannot stay away from the thoughts and problems of his time. Prem chand was also aware of the problems scattered in his surroundings.

Bazar e Husan is the first novel in which Premchand shows the social evils in their wider socio-moral and economic background. Emphasis has also been placed on its psychological aspects. And then have tried to find their solution in the light of their observation and study. In this novel Nirmala, the two evils of the society are explained. One is the curse of dowry and the other is uncoordinated marriage. Many houses are destroyed due to these outdated customs and practices. Young and innocent girls are sacrificed. The character of Nirmala is the spokesperson of countless girls of Hindustan. who fall prey to the outdated customs of Hindu society. In Indian society, the birth of a girl child is considered a hardship rather than a blessing. Which is a strong criticism of Hindu society. Through Nirmala, the author has touched the most important problem of India, which was a great need of the society at that time. This problem has not ended even today. Due to dowry, many girls in the subcontinent are deprived of the pure bond of marriage.

As a realist artist, he paints this life in a free manner, telling the story of the destruction of Lakhapur in the story of "Nirmala" and "Goshya Aafit", the bitterness of his feelings and the yearning of his heart are reflected in his tone.

بیسویں صدی کے آغاز پر ہندوستان کا سماجی ماحول ایک عجیب و غریب کاشکار ہو چکا تھا۔ زمیندار اور تاجر پیشہ لوگوں نے اوجھے ہتھکنڈوں کے ذریعے انگریزوں کی وفاداری حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ دیہات میں رہنے والے کسانوں، ہریجنوں کے مسائل بد سے بدتر ہونے لگے۔ وہ غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ زمیندار کسانوں سے لگان وصول کرتے تھے۔ سود کے قرض کی ادائیگی بھی کسانوں پر نئی آفت بن کر نازل ہوئی جس نے کسانوں کو نت نئی پریشانیوں سے دوچار کر دیا۔ لگان کی ادائیگی میں تاخیر ہو جاتی تو زمیندار کے کارندے اور سرکاری اہل کار ناک میں دم کر دیتے۔ کسان سماجی، اقتصادی اور نفسیاتی طور پر الجھنوں اور پریشانیوں کا شکار ہوا۔

اسی عہد میں نئے علمی نظریات نے ہندوستانی عوام میں نئی روح پھونکی۔ ہندوستان میں مختلف تحریکوں نے بھی اپنی اپنی جگہ مناسب اور موثر کردار ادا کیا۔ نچلے متوسط طبقے کے کسان، کاشت کار، نوجوانوں اور دیگر افراد کو نیا شعور دیا۔ نئے تصورات اور نظریات نے زندگی کے ہر گوشے پر اپنے اثرات مرتب کیے چنانچہ ہندوستانی ادب بھی نئے تصورات اور علمی نظریات سے متاثر ہوا۔ بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں کے بارے میں عتیق احمد لکھتے ہیں:

بیسویں صدی کے ابتدائی پچیس سال ہندوستان کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں اہم تبدیلیوں اور رستاخیز کے سال تھے۔ انگریز کا لایا ہوا تعلیمی، سیاسی اور اقتصادی نظام عبوری مراحل سے گزر کر منظوم طی سے جکڑ چکا تھا۔ گوراحاکم کالے محکوموں سے اپنی نظر عنایت کا خارج وصول کرنے میں استحصالی اقدام برتا آیا تھا۔ 1

ایک حقیقت پسند فنکار اپنے زمانے کے افکار و مسائل سے بیگانہ نہیں رہ سکتا ہے پریم چند کو بھی اپنے گرد و پیش میں بکھرے ہوئے مسائل کا ادراک حاصل تھا۔ اُس نے ان مسائل کو اپنے فن کا موضوع بنا لیا۔ اُس کے دل میں مشرقی آداب و روایات کا احساس بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ معاشرتی ناہمواریوں، سماجی نا انصافیوں، معاشی بد حالی اور سیاسی چیرہ دستیوں سے روحانی کرب کا شکار ہو چکے تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے روحانی کرب کو دور کرنے کے لیے، ماحول اور سماج کو مفاسدات سے نجات دلانے کے لیے ایسا ادب تخلیق کرنے کی روش کو ترجیح دی۔ اس نے اردو ادب میں افسانہ نگاری اور ناول نگاری دونوں اصنافِ نثر میں اپنی قلم کی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اُن کا افسانہ ہویا ناول وہ اپنے عہد کے سماجی اور سیاسی مسائل تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے ناولوں میں اپنے زمانے کا بھرپور سماجی شعور ملتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کی عوامی زندگی کی روح، رویے اور فکر و احساس کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان میں معاشرتی زندگی کی حقیقی تصویریں موجود ہیں جو اپنی مخصوص تمدنی فضا میں جیتی جاگتی اور متحرک نظر آتی ہے۔ ان کے ناولوں کے کردار جو عمل کرتے ہیں۔ ان کے پس منظر میں پریم چند کے فکری اور نظریاتی رویے کی جھلک موجود ہوتی ہے بقول ڈاکٹر سہیل بخاری:

پریم چند جا بجا اپنے نظریات واضح کرتے رہتے اس کے تین طریقے ہیں ایک تو یہ کہ وہ واقعات کو ترتیب ہی اس ڈھنگ سے دیتے ہیں کہ ان کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کے آپس کے کردار آپس کی گفتگو میں اپنے نظریات کی تشریح کرتے ہوئے اُن کی افادیت و صحت پر روشنی ڈالتے رہتے ہیں تیسرا اور آخری طریقہ یہ ہے کہ پریم چند اپنے کرداروں کے قول و فعل پر موقع موقع سے تنقید کرتے رہتے ہیں جن سے ہمیں ان کے نقطہ نظر کا پتہ لگ جاتا ہے۔ 2

پریم چند کا تعلق غریب گھرانے سے تھا۔ ایامِ طفلیت میں ممتا سے محروم ہو گئے۔ سوتیلی ماں اور بھائی نے اچھا سلوک نہ کیا۔ چھوٹی عمر میں شادی کر دی گئی لیکن بعد میں بیوی سے علیحدگی ہو گئی۔ باپ بھی فوت ہو گیا۔ گھر کی تمام ذمہ داری پریم چند کے کندھوں پر آ پڑی۔ معاشرتی اور انفرادی زندگی کے تلخ تجربات نے انھیں حد درجہ جذباتی اور حساس بنا دیا۔ گرد و پیش میں پھیلے ہوئے سماجی حالات نے ان کی سوچ کے دائرے کو وسیع کر دیا۔ یہ وہ شعور تھا جس کی روشنی میں پریم چند کا نظریاتی اور سماجی پس منظر ابھرنا دکھائی دیتا ہے۔ سید احتشام حسین تحریر کرتے ہیں:

یہ پریم چند ہی کا کام تھا کہ انھوں نے محنت کش عوام کو اپنے افسانوں اور ناولوں کا ہیرو بنایا۔ اور اس دنیا کی تصویر کھینچی جو سب سے زیادہ جاندار، سب سے زیادہ حقیقی اور سب سے زیادہ انسان دوستی کی مظہر تھی۔۔۔ پریم چند پہلے ادیب ہیں جنہوں نے شعوری طور پر ادب کے ذریعے عوام کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش میں انسان دوستی کی طرف یہ قدم اٹھایا۔ 3

پریم چند نے جب لکھنا شروع کیا تو اس وقت ہندوستان میں دیہات سدھار اور دوسری معاشرتی اصلاحات کا زور تھا۔ ہندوستان کے کسان، مزدور، عورت، اچھوت سبھی پر ان تحریکوں نے اثرات مرتب کیے۔ وہ صدیوں کی بے چارگی اور بے بسی کے ظلم سے نجات چاہتے تھے۔ پریم چند بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ انہوں نے اصلاح معاشرت اور تحریک آزادی کے نظریات کو اپنے ناولوں میں پیش کیا۔

پریم چند نے سماجی برائیوں کے خاتمے کے لیے آریاسماج کی اصلاحی سوچ کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ ناول نگار نے بیوہ عورتوں کی شادی، جہیز، فرسودہ رسومات، بچپن کی شادی، اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کو بڑی بے باکی سے پیش کیا ہے۔ ان کے ناول حقائق کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ یہ ناول اس دور کی زندگی کی پیچیدگی اور وسعت سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس دور میں طبقاتی کشمکش نے ہندوستان میں واضح حیثیت حاصل کر لی تھی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ انسان بے پایاں حوصلے اور بے کراں قوت کے باوجود تلخیوں اور محرومیوں کا شکار ہے۔ غلامی اور مفلسی کی اذیتوں سے کراہتی انسانیت کو دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ہندوستان عوام کی بد حالی، کسمپرسی، سامراجی اقتدار اور بڑھتے ہوئے مہاجنی جبر میں نظر آتی ہے۔ وہ انہما، تیگ، محبت کو انسانیت کا نصب العین سمجھتے ہیں۔ پریم چند ان اوصاف کو ناولوں کے مختلف کرداروں میں پیش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے دوسرے دور کے ناول عصری زندگی کی ترجمانی کرنے کے علاوہ نظریات کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔

پریم چند کا پہلا طویل ناول ”بازار حسن“ ہے۔ جس میں سمن ایک خوب صورت شوخ خوددار اور حساس لڑکی ہے۔ اس کا باپ اس کی شادی ایک بہت غریب، تنگ نظر اور کنجوس آدمی سے کر دیتا ہے۔ سمن کے پڑوس میں ایک طوائف رہتی ہے جس کو دیکھ کر سمن اپنی زندگی کا طوائف کی زندگی سے موازنہ کرتی ہے۔ وہ بے اطمینانی اور ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایک دن شوہر سے جھگڑا ہوتا ہے۔ شوہر اسے گھر سے نکال دیتا ہے۔ سمن طوائف کا پیشہ اختیار کر لیتی ہے۔ آخر میں ایک سماجی کارکن اسے گناہ کی دلدل سے نکال دیتا ہے۔ وہ ایک باعزت زندگی بسر کرنے لگتی ہے۔

اس ناول میں پریم چند نے ہندوستانی سماج پر کڑی نقطہ چینی کی ہے۔ وہ معاشرتی خرابیوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ سمن اس ناول کا مرکزی کردار ہے جو ایک شریف والدین کی لڑکی ہے۔ اس کی شادی گجادر سے ہو جاتی ہے۔ سمن ایک رات دیر سے گھر آتی ہے گجادر اسے گھر سے نکال دیتا ہے۔ سمن بے ہودہ رسم و رواج کی وجہ سے گناہ کی زندگی اختیار کر لیتی ہے۔ وہ ایک عجیب ذہنی کشمکش سے دوچار ہو جاتی ہے۔ اسے ایک طوائف کی زندگی بڑی پرکشش نظر آتی تھی۔ لیکن جلد ہی اسے یہ سب کچھ نظر کا فریب محسوس ہونے لگا تھا۔ غلاظت اور گناہ کی دلدل میں پھنسنے کے بعد جو الفاظ سمن ادا کرتی ہے وہ قابل غور ہیں، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ یہ کس قدر پر فریب زندگی ہے دور سے یہ جگہ کتنی پرکشش محسوس ہوتی تھی۔ میں نے تو اسے گلشن سمجھا تھا مگر آہ! یہ خوفناک بیابان ثابت ہوئی۔ ایسا بیابان جس میں چہار طرف خون کے پیاسے درندے اور زہریلے ناگ بھرے ہوتے ہیں۔ دور سے تو یہ ایک دریا چاندنی رات میں چاندی کی چادر سے زیادہ حسین معلوم ہوتا تھا لیکن یہ تو خوفناک سمندری جانوروں کا مسکن ہے یا خوشحال گھرانوں کے عیش طبع نوجوانوں کا نشانہ اور ان کی تفریح کا میدان ہے۔

پریم چند نے اس عہد کی ہندوستانی سماج میں رہنے والی عورت کی بے بسی اور مظلومیت کی بڑی باریک بینی سے عکاسی کی ہے۔ انیسویں صدی کے اختتام پر ہندوستانی معاشرے میں سماج سدھار کی کوششیں تیز ہو گئی تھیں۔ طوائف بھی اس وقت ایک اہم موضوع تھا۔ رسوا کے ”امراؤ جان ادا“ نے اس موضوع کو وسعت دے کر مجموعی زوال سے ملادیا تھا۔ بیسویں صدی کے ابتداء میں بھی یہ موضوع تازہ رہا اور متعدد لکھنے والوں نے اس پر طبع آزمائی کی۔ پریم چند نے بھی اس اصلاحی تحریک کو مد نظر رکھا اور ”بازار حسن“ جیسے ناول لکھے۔

بظاہر یہ ناول عصمت فروشی کے بھیا تک پہلوئوں کو بے نقاب کرتا ہے لیکن اس کا اصل موضوع ہندوستانی عورت کی مظلومی اور بے بسی ہے۔ اس میں ہندوستان کے سماج کے بے ہودہ رسم و رواج کے خلاف آواز بلند کی گئی ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس ”بازار حسن“ میں معاشرتی خرابیوں، اخلاقی، اقتصادی اور نفسیاتی پہلوئوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

بازار حسن پہلا ناول ہے جس میں پریم چند نے معاشرتی خرابیوں کو اپنے وسیع سماجی اخلاقی اور اقتصادی پس منظر میں دکھایا ہے۔ اس کے نفسیاتی پہلوئوں پر بھی زور دیا گیا ہے۔ اور پھر اپنے مشاہدے اور مطالعے کی روشنی میں ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ 4

پریم چند سماج سے طوائف طبقہ کو ختم کر کے ان کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ وہ انھیں نیک سیرت زندگی بسر کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں اچھا مقام دلانے کے بھی خواہش مند تھے۔ سماج میں طوائف کا وجود اس بات کی دلیل پیش کرتا ہے کہ سماجی ناانصافی اور معاشی عدم استحکام کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا جس کی وجہ سے گجادر بدگمان ہو گیا اور وہ سمن کو گھر سے نکال دیتا ہے لیکن گجادر کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے سمن کو گھریلو عورت سے طوائف بنا کر کوٹھے پر پہنچانے کا اصل ذمہ دار وہی ہے۔ گجادر میں انسانیت کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔ باقی زندگی سادہ سادہ بن کر بقائے انسانیت کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ شانتا کا شرم کی وجہ سے لنگا میں ڈوب کر جان دینا اور گجادر کا فرشتہ رحمت بن کر بچا لینا بقائے انسانیت ہی ہے۔ اس موقع پر گجادر، شانتا کو جو نصیحت کرتا ہے وہ الفاظ ہندوستانی سماج کو بدلنے کی راہ دیکھتے ہیں۔ جن کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ اب تک تم اپنے لیے جیتی تھی۔ اب دوسروں کے لیے جیو۔ سمن کا بازار حسن کو خیر باد کہہ دینا اور بٹھل داس اور پر ام سنگھ کی مشترکہ کاوشوں سے دال منڈی ایک دن طوائفوں سے خالی ہو جاتی ہے۔ میونسپل بورڈ کی مدد سے طوائفوں کے لیے علی پور کے قریب رہائش کا بندوبست کر دیا جاتا ہے۔ اس بستی میں حاجی ہاشم وہاں مسجد اور سیٹھ چمن لال مندر تعمیر کروا دیتے ہیں۔ اس کے بعد طوائفوں کا جلسہ ہوتا ہے۔ جس میں تمام طوائفیں نیک راہ اپنانے کا عزم کرتی ہیں۔ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک یتیم خانہ تعمیر کیا جاتا ہے سمن وہاں معلم اور نگران مقرر کر دی جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ سنگیت پاٹھ شالہ قائم کر کے موسیقی کی تعلیم دینے والے وطن پرستی کے گیت گاتے ہیں۔

ناول کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ناول میں زندگی کی چہل پہل سارے سماجی، اقتصادی عوامل کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہندوستانی سماج میں سمن کے کردار کی تشکیل اس انداز میں کی ہے جس سے اس کی شادی سے پہلے کی زندگی اور شادی کے بعد کے حالات کو پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اقتصادی مجبور یوں کی وجہ سے سمن کی شادی ایک عمر رسیدہ شخص سے کر دی جاتی ہے۔ جبکہ اس کا ماضی ایک خوشحال گھرانے میں گزرا ہوتا ہے۔ سسرال میں غربت افلاس کی وجہ سے اسے کئی طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ بہت جلد اس ماحول سے نکل کر دھوا آشرم چلی جاتی ہے۔ یہی وہ عہد تھا جب طوائفوں کو شہر سے نکلنے کی تحریک چل رہی تھی۔ یوں پریم چند اس مسئلے کا حل یتیم خانہ کی تعمیر میں ڈھونڈھ نکالتے ہیں۔ ڈاکٹر قمر رئیس بازار حسن پر اپنے رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

پریم چند کا اس ناول کے بارے میں یہ خیال ہے کہ اس کا خاص موضوع اور بنیادی مسئلہ بازار حسن ہے۔ خود پریم چند نے ایک موقع پر کہا ہے کہ اس قضیہ میں میں نے ایک اخلاقی بے شرمی یعنی بازار عصمت فروشی پر چوٹ کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی رائے صحت پر مبنی نہیں۔ اصل چوٹ بازار عصمت فروشی پر نہیں ہندوستانی عورت کی مظلومی اور کسمپرسی پر ہے جو صدیوں سے مرد کے جبر و ظلم کے ہاتھوں اپنی شخصیت کی پامالی سماجی پستی اور حرماں نصیبی کی زندگی گزارتی آئی ہے۔ 5

ناول ”نرملہ“ کا موضوع اس دور کے سماجی مسائل ہیں۔ اس ناول میں جہیز کے لالچ سے پیدا ہونے والے سنگین نتائج اور بے جوڑ شادیوں کے تباہ کن اثرات واضح کیے گئے ہیں۔ اودھے بان، بیوی کلیانی دیوی اپنی دو بیٹیوں ”نرملہ“ اور ”نتاشا“ اور ایک بیٹے کے ساتھ گائوں میں رہ رہا تھا۔ ”نرملہ“ جو اس ناول کا مرکزی کردار ہے اس کے مال دار باپ نے اپنی بیٹی کا رشتہ بال چند کے لڑکے سے طے کر دیا۔ اودھے بان اچانک مر جاتا ہے۔ کلیانی دیوی کے ہنستے بستے گھر میں ویرانی ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ کلیانی دیوی نرملہ کی شادی کر کے بوجھ اپنے سر سے بہت جلد اتارنا چاہتی ہے۔ دوسری طرف بال چند کی بیوی رنگیلی ایک سنگدل اور لالچی عورت ہے وہ اپنے بیٹے کی شادی نرملہ سے کرنے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔ اس کے ذہن پر جہیز کا بھوت سوار ہے جب کہ کلیانی کے گھر سے جہیز کی کوئی امید نہیں۔ اسی وجہ سے ہندو سماج میں نرملہ جیسی بے شمار لڑکیاں بن بیاہی رہ جاتی ہیں۔ ہندو سماج میں بہت کم لوگ ہیں جو جہیز کے بغیر شادی پر رضامندی کا اظہار کرتے ہیں۔ ”نرملہ“ کی ماں اس کی شادی کر کے جلد از جلد اپنی ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتی ہے۔

طوطا رام کچھری میں منشی ہے۔ اس کی عمر نرملہ کے باپ کے برابر ہوتی ہے۔ کلیانی دیوی نرملہ اور طوطا رام کی شادی کروا دیتی ہے۔ طوطا رام کے تین بیٹے اور ایک بہن بھی اس کے ساتھ رہتی ہے۔ طوطا رام کا ایک لڑکا ہنسارام پڑھائی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ نرملہ بھی اس سے پڑھنا شروع کر دیتی ہے۔ طوطا رام ہنسارام اور نرملہ کے تعلق کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ ہنسارام کو تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ ہنسارام گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد ہنسارام شدید بیماری کی حالت میں ہسپتال پہنچ جاتا ہے۔ یہاں نرملہ اپنے بیٹے کو ملنے آتی ہے۔ وہ اپنی ماں کے گلے سے لپٹ کر روتے ہوئے جان دے دیتا ہے۔ یہ موت رشتوں کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے سماج میں ایک گہرا طغز ہے۔ نرملہ کے پڑوس میں سدھا اپنے خاوند ڈاکٹر سہنا کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کر رہی ہے۔ یہ خاندان ہر مشکل اور پریشانی میں نرملہ کا ساتھ دیتا ہے۔ اسی دوران نرملہ ایک بچی کی ماں بن جاتی ہے۔ طوطا رام کی معاشی، ذہنی اور نفسیاتی حالت روز بروز ابتر ہوتی چلی جاتی ہے۔ وہ نرملہ کو تشدد کا نشانہ بنا کر تسکین محسوس کرتا ہے۔ ناول میں نرملہ کے جذبات کی ترجمانی یوں کی گئی ہے۔

دل روتا تھا مگر ہونٹوں پر ہنسی کا سواگ بھرنا پڑتا تھا۔ جس کا منہ دیکھنے کو جی نہ چاہتا ہو اس کے آگے ہنس کر باتیں کرنا پڑتی تھیں۔ جس بدن کا چھونا اس کو سانپ کے سر و چشم کی طرح معلوم ہوتا تھا اس سے لپٹ کر جتنی نفرت اور دلی اذیت ہوتی تھی اسے کون جان سکتا تھا۔ 6

ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر ظلم و بربریت ہندو سماج کا وطیرہ بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کی مظلومی، بے بسی اور کسمپرسی کی عکاسی کر کے پریم چند نے حقیقت نگاری کو فروغ دیا ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس ان کے اس نقطہ نظر کے بارے میں لکھتے ہیں:

ایک حقیقت پسند فنکاری کی حیثیت سے وہ اس زندگی کی بے لاگ مصوری کرتے ہیں ”نرملہ“ کی سرگزشت اور

”گوشہ عافیت“ میں لکھن پور کی تباہی کی داستان سناتے ہوئے ان کے لہجہ میں ان کے احساس کی تلخی اور دل کی تڑپ

جھلک اٹھتی ہے حقیقت کی تلاش انھیں انسان کی بد حالی اور تلخ کلامی کے اسباب کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ 7

سدھا کو جب معلوم ہوتا ہے کہ نرملہ وہی لڑکی ہے جس کے ساتھ ڈاکٹر سہنا کی شادی ہونے والی تھی جو جہیز نہ ہونے کی وجہ سے شادی نہ ہو سکی تو سدھا، اپنے خاوند سے ناراضگی کا اظہار کرتی ہے۔ سدھا بعد میں نرملہ کی چھوٹی بہن شانتا کا رشتہ ڈاکٹر سہنا کے چھوٹے بھائی سے کر کے پہلے سے کی گئی زیادتی کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ نرملہ اپنی بچی کے ہمراہ شانتا کی شادی میں شرکت کے لیے میکے آتی ہے۔ شانتا کی شادی ہو جاتی ہے۔ وہ سسرال چلی جاتی ہے۔ نرملہ چند دن میکے رہنا چاہتی ہے۔ اسی دوران اس کی موت ہو جاتی ہے۔ نرملہ مرنے سے قبل ایک وصیت کرتی ہے کہ اس کی بیٹی کی شادی کم عمری میں نہ کی جائے اور نہ اس کی شادی کسی عمر رسیدہ شخص سے کی جائے۔ طوطا رام کو نرملہ کی موت پر بہت افسوس ہوتا ہے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

پریم چند نے سماج کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کا مشاہدہ بھی بڑی باریک بینی سے کیا ہے بالخصوص عورت کے ساتھ ہونے والی سماجی ناانصافی اور زیادتی کو ایک حقیقت پسندانہ ناول نگار کی طرح پیش کیا ہے۔ نرملاکا کی شادی طوطا رام سے کر دی جاتی ہے۔ جو ہندو سماج کے اجتماعی شعور کا آئینہ دار ہے۔ ناول میں عورت کی نفسیات کی پیچیدگی کو بڑے اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نرملاکا کی عمر بہت چھوٹی ہے۔ لیکن جب اس پر خانہ داری کی ذمہ داری پڑتی ہے تو بے ساختہ ماں کی ممتا اس کے سینے میں اٹھ آتی ہے۔ اس جذبہ کا اظہار ہنسارام کے ہسپتال میں ماں کی آغوش میں دم توڑنے سے ہوتا ہے۔ نرملاکا کو در بھر پور سماجی، معاشی اور نفسیاتی حالات کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔ ناول میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ سماجی برائی کی سب سے بڑی وجہ اقتصادی بد حالی ہے۔ نرملاکا کے گرداب سے بڑی ہمت کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔ یہ ہمت، حوصلہ، جدوجہد اس عہد کی ہندوستانی عورت کا خاصہ تھا۔ جو کسی کائناتی عدل کی مشتاق نظر آتی ہے۔

پریم چند اس ناول میں معاشرے کی دو خرابیوں کو واضح کرتے ہیں۔ ایک جہیز کی لعنت اور دوسری بے جوڑ شادی ہے۔ ان فرسودہ رسم و رواج کی وجہ سے کئی گھر تباہ ہو جاتے ہیں۔ کم سن اور معصوم لڑکیوں کو سولی چڑھا دیا جاتا ہے۔ نرملاکا کو در ہندوستان کی بے شمار لڑکیوں کا ترجمان ہے۔ جو ہندو سماج کے فرسودہ رسم و رواج کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ہندوستانی سماج میں لڑکی کا پیدا ہونا راجت کی بجائے زحمت تصور کیا جاتا ہے۔ جو ہندو سماج کی بودوباش پر کڑی تنقید ہے۔ نرملاکا کے ذریعے مصنف نے ہندوستان کے اہم ترین مسئلے کو ہاتھ لگایا ہے۔ جو اس وقت کے سماج کی بڑی ضرورت تھی۔ یہ مسئلہ آج بھی ختم نہیں ہوا ہے۔ اب بھی جہیز کی وجہ سے برصغیر میں کئی لڑکیاں شادی کے پاکیزہ بندھن سے محروم رہ جاتی ہیں۔

”گوشہ عافیت“ ۱۹۲۰ میں شائع ہوا۔ اس ناول میں مکھن پور کی تباہی و بربادی کے قصے بیان ہوئے ہیں۔ اس میں جنگ عظیم کے بعد کی داستان ہے۔ جنگ عظیم اول کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں گاندھی جی کی عدم تعاون کی تحریک پورے عروج پر تھی۔ جنگ کی وجہ سے پوری دنیا معاشی بحران کا شکار ہو چکی تھی بالخصوص ہندوستان میں معاشی پستی کی انتہا ہو چکی تھی۔

پریم چند کے اس ناول کا اصل موضوع کسانوں کی زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ جس میں کسان کی سماجی اور معاشی زندگی کے تمام پہلو آجاتے ہیں۔ انھوں نے ہر طبقے کے افراد کی، ذہنی اور سماجی زندگی کی تصویر کشی کی ہے۔ وہ کسانوں اور زمینداروں دونوں طبقات کے حالات کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ جب دیس کے برے دن آتے ہیں تو سبھی، باتیں الٹی ہو جاتی ہیں۔ جب بیمار کے مرنے کے دن آتے ہیں تو اوکھل بھی اوگن کرنے لگتی ہے۔ اور یہ لوگ دیادھرم کے بچار کرنے لگتے ہیں۔ تو دیس میں رام راج ہو جاتا ہے۔۔۔ ارے: تو ہم مورکھ، گنوار، ان پڑھ ہیں۔ وہ لوگ تو بدوان ہیں۔ انہیں نہ سوچنا چاہیے یہ گریب آدمی ہمارے ہی بھائی بند ہیں۔ ہمیں بھگوان نے بدیادی ہے ان پر دیا کی نگاہ رکھیں۔ ان بدوانوں سے ہم مورکھ ہی اچھے، میں تو اپنے لڑکے کو ایسی بدیا کبھی نہ پڑھائوں جو اسے آدمی بنا دے۔ جلم کرنے سے جلم سہہ لینا اچھا ہے۔ 8

پریم چند کو گاؤں کی فضا اور وہاں کے رہنے والوں سے مکمل واقفیت ہے۔ کسانوں اور مظلوم انسان کو انھوں نے بڑے قریب سے دیکھا ہے وہ ایک سیاسی اور سماجی ذہن کے مالک تھے۔ انھوں نے بدلتے ہوئے ہندوستان میں لاکھوں لوگوں میں بیداری کی نئی لہر کو تیز تر کر دیا۔ اس کا اظہار بڑے فنکارانہ، حقیقت پسندانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ خاص طور پر ہندوستانی سماج میں لگان کے مسائل کا تجزیاتی انداز:

جس نے روپے نہ دیئے یا نہ دے سکا اس پر نالاش کی قرتی کرائی اور ایک کے ڈیڑھ وصول کئے۔ سکمی اسامیوں کو یک قلم بے دخل کر دیا۔

اور ان کی اراضیوں پر لگان بڑھا کر دوسرے اسامیوں کے ساتھ بندوبست کیا۔۔۔ سارے علاقے میں تہلکہ پڑ گیا۔ لوگ اضافہ لگان سے

بچنے کے لئے انہیں نذریں پیش کرنے لگے۔ 9

پریم چند کا سماجی شعور واضح اور مضبوط تھا اس لیے وہ ان تمام مسائل کو حل کرنے میں سرگرداں نظر آتے ہیں پورا ناول کسانوں کے احساسات اور جدوجہد سے بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ ناول میں ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ سماج کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں ہیں مثلاً گائتری جو اصلارانی ہے۔ اسی طرح زمیندار طبقے کی عورتوں شررد اور بڑی بہو سب شوہر پرست عورتیں ہیں سب کا تعلق جاگیر دارانہ طبقے سے ہے۔ لیکن اپنے دل کے نہاں خانوں میں غریبوں کے لیے ہمدردی اور دردمندی کا جذبہ رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر یوسف سرمت کا خیال ہے:

پریم چند کی ناول نگاری ہندوستان کے سیاسی و سماجی مسائل سے وابستہ ہو کر خوب سے خوب تر ہوتی گئی۔ اور آخر میں کروڑ ہا باشندوں یعنی دیہاتوں کی زندگی کو اور ان کے طبقاتی سماجی اور معاشی پس منظر میں پیش کر کے اور ناول کو حقیقت نگاری اور زندگی کی وسعتوں اور پنہائیوں کو سمیٹنے کا سلیقہ سیکھا ہے۔ 10

منوہر صرف ایک شخص نہیں بلکہ اس پوری نسل کا نمائندہ ہے۔ جس نے ظلم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے وہ کسانوں کو استحصالی صورت حال سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ ایک دفعہ لکھن پور کے زمیندار کو گھی کی ضرورت ہوتی ہے وہ اپنے کارندوں کو روپے دے کر کسی بھی حال میں گھی لانے کا حکم دیتا ہے جبکہ اس موقع پر منوہر کی گفتگو میں باغیانہ سوچ کا عنصر نمایاں ہے۔ ایسی صورت میں منوہر گھی دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ پریم چند نے اس ناول میں کسانوں پر اضانی لگانے کے بنیادی مسئلے کو اجاگر کیا ہے۔ اس سماج میں اگر کوئی وقت پر لگان ادانہ کرے تو اس کی زمین جائیداد زمیندار کے قبضے میں چلی جاتی ہے۔ کسانوں کی زندگی پر مصیبتوں اور پریشانیوں کے گہرے بادل چھا جاتے ہیں۔ آئے دن نئی نئی مشکلات غریب کسانوں پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔ قدرت کی طرف سے بھی کبھی کبھی بڑی پریشانی آن پڑتی ہے۔ قحط سالی آگئی یا کوئی وبائی مرض پھیل گیا۔ یہ تمام مصیبتیں ہندوستانی سماج کے غریب کسانوں کا مقدر بن چکی تھیں، وبائی مرض میں ڈپٹ سنگھ کا جوان لڑکا مر جاتا ہے۔ ڈپٹ سنگھ اپنے بیٹے کی موت کا غصہ جو الا سنگھ اور پریم شنکر پر اتار جاتا ہے۔ شنکر کے کارندے کسانوں کے جھوٹے پٹیاں کو آگ لگا دیتے ہیں۔ جانوروں کو تالاب میں پانی پلانے سے روک دیتے ہیں۔ آخر میں مویشیوں کی چراگاہیں بند کر دی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے غوث خان کا قتل ہوتا ہے۔ منوہر جیل میں خودکشی کر لینا ہے۔ ناول کے آخر میں پریم چند شنکر کا اثرا تاشدید ہوتا ہے کہ سبھی کسان متحد کر کے ہر طرح کی مشکل کا سامنا کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ناول کے کرداروں کے بارے میں پروفیسر عقیل رضوی لکھتے ہیں:

سکھو چودھری، بسیر سادہ، دکھن بھگت کے کردار کی کمزوری، بلراج، منوہر اور قادر خان سے دغا کرتی ہے۔ پھر سب سرکاری کرپٹوں کے ظلم کا شکار ہوتے ہیں۔ بعد گیان شنکر اور غوث خان کا بیرونی دباؤ انہیں متحد کرتا ہے۔ اندر کی لڑائی انہیں توڑتی ہے۔ ان میں نفاق بھی ڈالتی ہے۔ مگر جب انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ بیرونی طاقت سے پنہا آسان نہیں ہے تب وہ سب اس طاقت کے خلاف متحد ہوتے ہیں۔ اس طرح اندورنی ٹکراؤ اور ایثار سے پھر ایک اتحاد کی طاقت وجود میں آتی ہے۔ جو باہر کے طاقت ور گھیرے کو توڑ دیتی ہے۔ 11

پریم چند کی تخلیق زندگی کا پورا عہد سیاسی تھا۔ لیکن خاص طور پر 1918 تا 20ء تک کا عرصہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں ”گوشہ عافیت“ تخلیق ہوا۔ مصنف نے حقیقت پسندانہ روش اپناتے ہوئے کسان کی سماجی، مذہبی اور معاشی بد حالی کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر یوسف سرمت پریم چند کی اس ناول میں حقیقت اور صداقت کے بارے میں رقمطراز ہیں ”پریم چند نے صرف حقیقت کی عکاسی ہی نہیں کی ہے بلکہ اپنی ہی نہیں لاکھوں کروڑوں ہندوستانیوں کی خواہش کا اظہار انہوں نے کیا ہے۔“ 12

پریم چند نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور محسوس بھی کیا۔ اس ناول میں کسانوں اور زمینداروں کی کشمکش دکھائی دیتی ہے۔ انگریزی حکومت کی وعدہ خلافیاں اور ان کا ظلم و ستم نظر آتا ہے۔ کسانوں کی معاشی ابتری بے بسی اور معاشی استحصال پر پریم چند کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ ناول میں دیہات کے لوگوں کی زندگی اور وہاں کے کرداروں کے ذریعے ان کے مسائل سے آگاہی ملتی ہے۔ مصنف، زمیندار، سرمایہ دار، مہاجن، اور متوسط طبقے کے کرداروں کے حوالے سے پورے ہندوستانی سماج کی زندگی کو پیش کرتے ہیں۔ ان کو محنت کش طبقے سے دلی ہمدردی تھی۔ وہ انسانوں کے ایسے مسائل سلجھاتے ہیں جو طبقات، ذات، پات، شہر و دیہات کی حد بندیوں سے آزاد ہیں۔

”گوشہ عافیت“ میں ایک طرف تو طبقاتی فرق کے باوجود غریبوں اور ناداروں کے لیے جاگیر دارانہ طبقے کی عورتوں کے ہمدانہ جذبے کی تصویر کشی کی گئی ہے تو دوسری طرف پریم شکر اور گیان شکر دو سنگے بھائی ہیں، جو مزاج اور نظریات کے حوالے سے ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔ پریم شکر نے اعلیٰ تعلیم امریکا سے حاصل کی ہے جس کی وجہ سے اس کی سوچ میں وسعت اور پختگی آجاتی ہے۔ وہ چھوٹے بڑے امیر غریب کے فرق کو بالائے طاق رکھتا ہے۔ سب کو مساویانہ حقوق دلانے کے لیے کاربند نظر آتا ہے۔ قوم کی بہتری کا جذبہ اور سماج کی ترقی اس کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ وہ گاؤں سے دوسرے گاؤں جا کر وہاں کے لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔ غریبوں کو سیلابی پانی کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لیے چند اکٹھا کر کے پل بنواتا ہے۔ ساری زندگی کسانوں کی بھلائی اور مدد کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس گیان شکر ہر وقت زمینداری کے نشہ میں چور رہتا ہے۔ وہ بڑا خود غرض آدمی ہے۔ جو جائیداد اور دولت کی ہوس میں اندھا ہوجاتا ہے۔ لگان کی وصولی پر کسانوں سے ناروا سلوک کرنا اس کا معمول ہے۔ ناول میں یہ کردار اپنی اپنی جگہ ہندوستانی سماج کا مکمل آئینہ دار ہیں۔

برہا شکر، کملہ نند جیسے زمیندار ہمدردی اور غمگساری کے جذبے سے لبریز ہیں۔ غوث خان جیسا لالچی انسان اور گردھر جیسا شخص اپنے اپنے رویے سے سماج کو متاثر کرتے نظر آتے ہیں۔ گردھر، یوں تو کارندہ ہے مگر کسانوں اور زمینداروں دونوں اطراف سے ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو الا شکر اور دیا شکر حکومتی عہدے پر فائز ہیں لیکن وہ ہندوستانی سماج میں غریبوں کی مشکلات و مسائل کو رفتہ رفتہ سمجھنا شروع ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر عرفان علی، اعجاز حسین، شمشیر شاہ بھی فہم و فراست کے مالک ہیں۔ ان سب کا تعلق متوسط طبقے سے ہے۔ یہ سب ہمہ وقت غریبوں کے مسائل اور پریشانیوں کو دور کرنے کی فکر میں مصروف عمل دیتے ہیں۔ ناول میں قادر خان، دکھن چودھری امن پسند انسان ہیں۔ وہ جھگڑا کرنے سے احتراز کرتے ہیں اور حاکم کے ہر حکم کو بلاچون و چرا مان لیتے ہیں۔ منوہر لال اور اس کا بیٹا بلراج ظلم کے خلاف سیدہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

الحقصر پریم چند نے جا بجا اپنے نظریات واضح کرتے رہتے اس کے تین طریقے ہیں ایک تو یہ کہ وہ واقعات کو ترتیب ہی اس ڈھنگ سے دیتے ہیں کہ ان کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کے آپس کے کردار آپس کی گفتگو میں اپنے نظریات کی تشریح کرتے ہوئے ان کی افادیت و صحت پر روشنی ڈالتے رہتے ہیں تیسرا اور آخری طریقہ یہ ہے کہ پریم چند اپنے کرداروں کے قول و فعل پر موقع موقع سے تنقید کرتے رہتے ہیں جن سے ہمیں ان کے نقطہ نظر کا پتہ لگ جاتا ہے۔

حوالہ جات

- 1 - عتیق احمد ”ہمارے ادب کے جدید رجحانات“ مضمون ”پاکستانی ادب“ (جلد پنجم) مرتبین رشید امجد، فاروق علی، ایف۔ جی سرسید کالج، راولپنڈی، جنوری 1986 ص 641
- 2- سہیل بخاری، ڈاکٹر ”ناول نگاری اردو ناول کی تاریخ و تنقید“ میری لائبریری لاہور 1966ء، ص 195
- 3- سید احتشام حسین بحوالہ ”پریم چند کا تنقیدی مطالعہ“ مرتب مشرف احمد، نفیس اکیڈمی تیرتھ داس روڈ کراچی، 1986 ص 45-244
- 4- قمر رئیس، ڈاکٹر ”پریم چند کا تنقیدی مطالعہ بحیثیت ناول نگار“ ص 227
- 5- قمر رئیس، ڈاکٹر ”پریم چند کا تنقیدی مطالعہ بحیثیت ناول نگار“ ص 235
- 6- پریم چند ”زما“ چوہدری اکیڈمی، لاہور، سن، ص 96
- 7- قمر رئیس، ڈاکٹر، بحوالہ ”پریم چند کا تنقیدی مطالعہ“ مرتب، مشرف احمد، ص 246
- 8- پریم چند ”گوشہ عافیت“ اتحاد پریس، لاہور، 1929، ص 8
- 9- پریم چند ”گوشہ عافیت“ اتحاد پریس، لاہور، 1929ء، ص 81-80
- 10- یوسف سرمت، ڈاکٹر ”بیسویں صدی میں اردو ناول“ نیشنل بک ڈپو چھلی کماں، حیدرآباد، 1973، ص 221
- 11- پروفیسر عقیل رضوی ”پریم چند نمبر“ یونیورسٹی الہ آباد میگزین، 1973ء، ص 112
- 12- یوسف سرمت، ڈاکٹر ”بیسویں صدی میں اردو ناول“ ص 203